ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3964

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ سیرت سٹڈیز)

کورس: بنیادی منطق (3964) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ 5-9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 0

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1 (20 نمبر)

سوال نمبر 1: قضیے کے مفہوم اور اس کی مختلف اقسام کا تجزیاتی مطالعہ کرتے ہوئے قضیہ حملیہ کے اجزاء، موضوع و محمول، موجبہ کلیہ اور سالبہ جزئیہ کو مثالوں کے ذریعے واضح کریں۔ (20)

تعارف

تصورات کے بعد منطق کا دوسرا بڑا میدان تصدیقات ہیں اور تصدیق کی لفظی صورت کا نام قضیہ ہے۔ انسان جب کسی بات کا دعویٰ کرتا ہے، خبر دیتا ہے، فیصلہ سناتا ہے یا دلیل کا مقدمہ بناتا ہے تو وہ دراصل قضیے ہی استعمال کر رہا ہوتا ہے۔ قضیے کی ساخت سمجھے بغیر نہ خبریں پرکھی جا سکتی ہیں، نہ مقدمات کی جانچ ہو سکتی ہے اور نہ قیاس کی تشکیل ممکن ہے، کیونکہ قیاس قضیوں ہی سے بنتا ہے۔ اس جواب میں پہلے قضیے کا مفہوم واضح کیا جائے گا، پھر اس کی مختلف اقسام کا تجزیاتی مطالعہ پیش ہو گا، اس کے بعد قضیہ حملیہ کے اجزاء تفصیل سے بیان ہوں گے جن میں موضوع و محمول کو خاص توجہ دی جائے گی، اور آخر میں موجبہ کلیہ اور سالبہ جزئیہ کو مثالوں کے ذریعے اس طرح واضح کیا جائے گا کہ چاروں بنیادی صورتوں کا باہمی تعلق بھی پوری طرح روشن ہو جائے۔

قضیے کا مفہوم

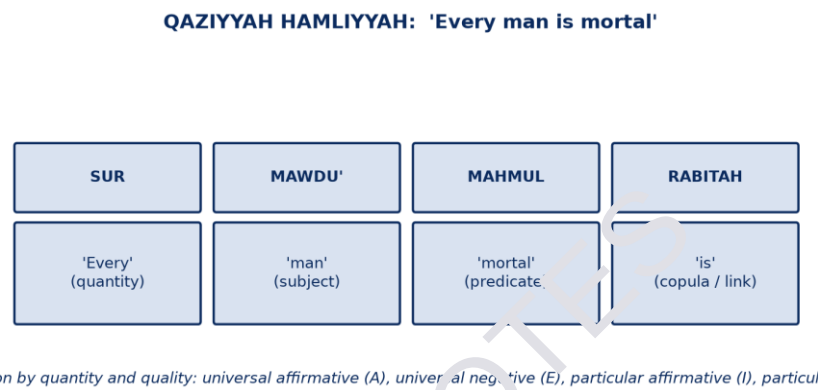
قضیہ وہ مرکب کلام یا قول ہے جس کے قائل کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ وہ اپنے قول میں سچا ہے یا جھوٹا، یعنی جو اپنے مفہوم کے اعتبار سے صدق و کذب دونوں کا احتمال رکھے۔ مثال کے طور پر زمین گول ہے، ایک قضیہ ہے کیونکہ یہ ایک خبر و حکم ہے جسے سچا یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی انسان ابدی نہیں، بھی قضیہ ہے کیونکہ اس میں نفی کا حکم موجود ہے۔ اس کے برعکس انشائی کلام قضیہ نہیں ہوتا: سوال پوچھنا، حکم دینا، تمنا کرنا اور تعجب کرنا قضیہ نہیں، کیونکہ ان میں کسی بات کے واقع ہونے یا نہ ہونے کا دعویٰ نہیں ہوتا، جیسے کیا تم نے کتاب پڑھی یا دروازہ بند کرو، ان جملوں کو سچا جھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔ قضیے کو منطق میں تصدیق ہی کی زبانی صورت سمجھا جاتا ہے، اور اس کی پہچان کے لیے نسبتِ حکمیہ کا پایا جانا شرط ہے، یعنی دو تصورات کے درمیان اثبات یا نفی کا تعلق جس پر حکم کی بنیاد ہو۔ خبر، دعویٰ، نظریہ اور مقدمہ سب اپنی منطقی حیثیت میں قضیے ہی ہیں، اسی لیے ان کی پرکھ کی ابتدا قضیے کی اس تعریف سے ہوتی ہے۔

قضیے کی مختلف اقسام: پہلی تقسیمات

قضیے کی سب سے بنیادی تقسیم اس کی ساخت کے اعتبار سے حملیہ و شرطیہ کی ہے۔ قضیہ حملیہ وہ ہے جس میں ایک چیز پر دوسری چیز کے ثبوت یا اس سے نفی کا سادہ حکم لگایا جائے، جیسے انسان فانی ہے یا انسان پتھر نہیں۔ قضیہ شرطیہ وہ ہے جس میں حکم دو قضیوں کے درمیان تعلق پر مقید ہو، جیسے اگر بارش ہوئی تو زمین تر ہو گی، یا یہ یا تو دن ہے یا رات۔ شرطیہ کی بھی دو قسمیں ہیں: متصلہ جس میں ایک بات کے ہونے پر دوسری کا ہونا معلق ہو، اور منفصلہ جس میں دو باتوں کے درمیان جدائی و عدم اجتماع کا حکم ہو۔ دوسری اہم تقسیم کیفیت کے اعتبار سے موجبہ و سالبہ کی ہے: موجبہ میں محمول کا موضوع کے لیے اثبات ہوتا ہے، جیسے طالب علم محنتی ہے، اور سالبہ میں محمول کی موضوع سے نفی ہوتی ہے، جیسے جاہل عالم نہیں ہوتا۔ تیسری اہم تقسیم کمیت کے اعتبار سے کلیہ، جزئیہ اور مہملہ و شخصیہ کی ہے جس کی تفصیل اگلے عنوان میں آئے گی، کیونکہ سوال میں مطلوب موجبہ کلیہ و سالبہ جزئیہ اسی تقسیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس طرح ہر حملی قضیے کو دو زاویوں یعنی کمیت و کیفیت سے بیک وقت دیکھا جاتا ہے اور اسی اجتماع سے اس کی مکمل منطقی شناخت بنتی ہے۔

قضیہ حملیہ کے اجزاء

قضیہ حملیہ کے تین بنیادی اجزاء ہیں اور عملی طور پر ایک چوتھا جز بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ پہلا جز موضوع ہے، یعنی وہ چیز جس پر حکم لگایا جائے اور جس کے بارے میں بات ہو رہی ہو۔ دوسرا جز محمول ہے، یعنی وہ وصف یا مفہوم جس کا ثبوت یا نفی موضوع کے لیے کی جائے۔ تیسرا جز نسبتِ حکمیہ یا رابطہ ہے، یعنی وہ تعلق جو موضوع و محمول کو جوڑتا ہے اور جس پر حکم قائم ہوتا ہے؛ زبان میں یہ رابطہ کبھی ظاہر ہوتا ہے جیسے ہے اور نہیں کے الفاظ، اور کبھی مفہوم میں پوشیدہ رہتا ہے مگر ذہن میں ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔ چوتھا جز سور ہے جو موضوع کی کمیت بتاتا ہے، یعنی حکم سارے افراد پر ہے یا بعض پر؛ ہر، تمام، کوئی نہیں، بعض اور چند جیسے الفاظ سور کے نمائندے ہیں۔ مثال لیجیے: ہر طالب علم کتاب رکھتا ہے، اس میں طالب علم موضوع ہے، کتاب رکھنا محمول ہے، ہر سور ہے اور رکھنے کا تعلق نسبت ہے۔ اجزاء کی یہ شناخت معمولی مشق نہیں، کیونکہ قیاس کی جانچ میں حدِ اوسط وغیرہ کی پہچان انہی اجزاء کے تعین سے ہوتی ہے اور غلط تعین سے پوری دلیل بگڑ سکتی ہے۔



شکل 1: قضیہ حملیہ کے اجزاء—سور، موضوع، محمول اور رابطہ، اور کمیت و کیفیت سے بننے والی چار صورتیں۔

موضوع و محمول کی مزید وضاحت

موضوع و محمول کی پہچان میں دو باتیں خاص توجہ چاہتی ہیں۔ پہلی یہ کہ موضوع و محمول کا تعین نحوی فاعل و خبر کی بنیاد پر نہیں بلکہ منطقی حکم کی بنیاد پر ہوتا ہے: جس چیز پر حکم لگ رہا ہے وہ موضوع ہے خواہ جملے میں کہیں بھی واقع ہو۔ جیسے محنتی طالب علم کامیاب ہوتا ہے میں اصل موضوع اگرچہ طالب علم کی ایک خاص صنف ہے اور محمول کامیاب ہونا ہے۔ دوسری یہ کہ موضوع کبھی جزئی ہوتا ہے جیسے زید کھڑا ہے، اسے قضیہ شخصیہ کہتے ہیں، اور کبھی کلی ہوتا ہے جس پر کمیت کی بحث چلتی ہے۔ محمول عموماً کلی مفہوم ہوتا ہے، کیونکہ حکم عام وصف ہی پر لگتا ہے۔ موضوع و محمول کے درست تعین کی عملی اہمیت یہ ہے کہ اکثر مباحث میں دھوکا اسی جگہ ہوتا ہے کہ جملے کی ظاہری ترتیب میں موضوع و محمول بدل کر نتیجہ بدل دیا جاتا ہے، جیسے ہر عالم محقق نہیں ہوتا سے یہ الٹا نتیجہ نکالنا کہ ہر محقق عالم نہیں ہوتا، درست نہیں، کیونکہ کمیت کے احکام ہر صورت میں نہیں پلٹتے۔ اسی لیے منطق میں عکس و تبدیل کے باقاعدہ قواعد موجود ہیں جن کی بنیاد یہی اجزاء شناسی ہے۔

جدول 1: قضیہ حملیہ کے اجزاء کی مثالوں سے وضاحت

جز	کردار	مثال: ہر انسان فانی ہے	مثال: بعض طلبہ حاضر نہیں

بعض	ہر	موضوع کی کمیت کی نشان دہی	سور
طلبہ	انسان	جس پر حکم لگایا جائے	موضوع
حاضر	فانی	جو حکم لگایا جائے	محمول
نہیں (نفی)	ہے (اثبات)	موضوع و محمول کا تعلق، اثبات یا نفی کے ساتھ	نسبت / رابطہ

کمیت و کیفیت سے بننے والی چار صورتیں

جب کمیت کی دو صورتوں کلی و جزئی کو کیفیت کی دو صورتوں ایجاب و سلب کے ساتھ ملایا جاتا ہے تو قضیہ حملیہ کی چار مشہور صورتیں بنتی ہیں جنہیں منطقیین لاطینی حروف کی مناسبت سے اے، ای، آئی اور او سے بھی ظاہر کرتے ہیں۔ پہلی صورت موجبہ کلیہ ہے جس میں حکم تمام افراد پر اثبات کے ساتھ ہو۔ دوسری سالبہ کلیہ ہے جس میں حکم تمام افراد پر نفی کے ساتھ ہو۔ تیسری موجبہ جزئیہ ہے جس میں حکم بعض افراد پر اثبات کے ساتھ ہو۔ چوتھی سالبہ جزئیہ ہے جس میں حکم بعض افراد پر نفی کے ساتھ ہو۔ ان چاروں کے درمیان تقابل و تضاد کے باقاعدہ تعلقات ہیں جنہیں مربعِ تقابل میں دکھایا جاتا ہے، اور یہ تعلقات اس لیے اہم ہیں کہ ایک قضیے کی سچائی یا جھوٹ معلوم ہو تو دوسرے قضیوں کے بارے میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سوال میں خاص طور پر دو صورتیں مطلوب ہیں، یعنی پہلی اور چوتھی، اس لیے اگلے دو عناوین میں انہی کو تفصیل و مثالوں سے واضح کیا جاتا ہے، مگر یہ ذہن میں رہے کہ یہ دونوں باہم متضاد ہیں، یعنی اگر ایک سچا ہو تو دوسرا ضرور جھوٹا ہو گا اور ایک جھوٹا ہو تو دوسرا ضرور سچا ہو گا۔

موجبہ کلیہ: تعریف اور مثالیں

موجبہ کلیہ وہ قضیہ ہے جس میں محمول کا ثبوت موضوع کے تمام افراد کے لیے کیا جائے، یعنی سورِ کلی یعنی ہر، تمام، کل کے ساتھ ایجاب کا حکم ہو۔ اس کی مثالیں یہ ہیں: ہر انسان فانی ہے، تمام زندہ چیزیں غذا کی محتاج ہیں، ہر مثلث کے تین زاویوں کا مجموعہ دو قائمہ کے برابر ہوتا ہے، اور ہر طالب علم کو امتحان میں شامل ہونا ہے۔ موجبہ کلیہ کی پہچان دو

چیزوں سے ہوتی ہے: ایک یہ کہ موضوع کے کسی فرد کا استثنا باقی نہ رہے، دوسرے یہ کہ حکم نفی کے بجائے اثبات کا ہو۔ اس صورت کی منطقی اہمیت بہت زیادہ ہے، کیونکہ قیاس کے کبریٰ مقدمے عموماً موجبہ کلیہ ہی ہوتے ہیں؛ یہی عام قانون فراہم کرتی ہے جس کے تحت جزئی معاملہ شامل کیا جاتا ہے۔ علمی قوانین، ریاضی کے کلیے اور نصابی اصول سب اسی صورت میں بیان ہوتے ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ روزمرہ گفتگو میں لوگ اکثر جزئی مشاہدے کو موجبہ کلیہ کی زبان میں بیان کر دیتے ہیں، جیسے چند واقعات دیکھ کر کہہ دینا کہ سب ایسے ہی ہوتے ہیں؛ منطقی اعتبار سے ایسا کلی دعویٰ اسی وقت درست ہو گا جب وہ واقعی تمام افراد کو شامل ہو اور کوئی خلاف مثال موجود نہ ہو۔

سالبہ جزئیہ: تعریف اور مثالیں

سالبہ جزئیہ وہ قضیہ ہے جس میں محمول کی نفی موضوع کے بعض افراد سے کی جائے، یعنی سورِ جزئی (بعض، چند، کچھ) کے ساتھ سلب کا حکم ہو۔ اس کی مثالیں یہ ہیں: بعض طلبہ حاضر نہیں ہیں، بعض جانور گوشت خور نہیں ہوتے، کچھ دھاتیں زنگ آلود نہیں ہوتیں، اور بعض خبریں درست نہیں ہوتیں۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ نہ تو حکم تمام افراد پر ہے اور نہ اثبات پر، بلکہ بعض کی حد میں نفی ہے۔ منطقی طور پر بعض کا مطلب کم از کم ایک ہوتا ہے، اس لیے سالبہ جزئیہ کو جھوٹا کرنے کے لیے یہ دکھانا کافی نہیں کہ زیادہ تر افراد میں محمول پایا جاتا ہے، بلکہ یہ ثابت کرنا ہو گا کہ تمام افراد میں محمول پایا جاتا ہے۔ موجبہ کلیہ اور سالبہ جزئیہ کا باہمی تعلق تضاد کا ہے اور اسی میں اس صورت کی اصل افادیت ہے: کسی کلی دعوے کی تردید کے لیے ایک ہی خلاف مثال یعنی ایک سالبہ جزئیہ کافی ہو جاتی ہے، مثلاً ہر پرندہ اڑتا ہے کے دعوے کو پینگوئن کی ایک مثال، یعنی بعض پرندے نہیں اڑتے، رد کر دیتی ہے۔ تحقیق اور تنقید میں یہ اصول روزانہ کام آتا ہے، کیونکہ بڑے بڑے کلی دعوے اکثر ایک مستند خلاف مثال سے گر جاتے ہیں۔

جدول 2: چاروں بنیادی صورتوں کا خلاصہ

صورت	کمیت و کیفیت	سور کی مثال	قضیے کی مثال
موجبہ کلیہ (A)	کلی + ایجاب	ہر، تمام	ہر انسان فانی ہے
سالبہ کلیہ (E)	کلی + سلب	کوئی نہیں	کوئی انسان فرشتہ نہیں

بعض طلبہ محنتی ہیں	بعض	جزئی + ایجاب	موجبہ جزئیہ (I)
بعض خبریں درست نہیں ہوتیں	بعض۔۔۔ نہیں	جزئی + سلب	سالبہ جزئیہ (O)

نتیجہ

حاصل یہ ہے کہ قضیہ صدق و کذب کا احتمال رکھنے والا مرکب کلام ہے، اس کی بنیادی تقسیم حملیہ و شرطیہ کی ہے اور حملیہ کے اجزاء سور، موضوع، محمول اور نسبتِ حکمیہ ہیں۔ موضوع وہ ہے جس پر حکم ہو، محمول وہ حکم ہے جو لگایا جائے، اور کمیت و کیفیت کے اجتماع سے چار صورتیں بنتی ہیں جن میں موجبہ کلیہ تمام افراد پر اثبات کا اور سالبہ جزئیہ بعض افراد سے نفی کا قضیہ ہے، اور یہ دونوں باہم متضاد ہیں۔ اس فہم کے بغیر نہ مقدمات کی جانچ ممکن ہے نہ قیاس کی ترکیب، اس لیے قضیے کی یہ بحث پورے منطقی استدلال کا دروازہ ہے اور اگلے مباحث یعنی قیاس و استقراء کی بنیاد بھی یہی ہے۔

سوال نمبر 2 (20 نمبر)

سوال نمبر 2: قیاس کے مفہوم اور اس کے بنیادی اجزاء کا تجزیاتی جائزہ لیتے ہوئے قیاسِ اقترانی اور قیاسِ استثنائی کی ساخت، خصوصیات اور باہمی فرق کو مثالوں سے واضح کریں۔

(20)

تعارف

منطق کا سب سے اہم اور عملی باب استدلال ہے اور استدلال کی سب سے منظم صورت قیاس ہے۔ انسان جب بھی کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے دو معلوم باتوں کو جوڑتا ہے تو شعوری یا غیر شعوری طور پر قیاس ہی استعمال کر رہا ہوتا ہے۔ وکیل عدالت میں، معلم درس میں، محقق تحقیق میں اور فقہ کے ماہر استنباط میں، ہر جگہ مقدمات سے نتیجہ نکالنے کا یہی عمل چل رہا ہے۔ مگر یہ عمل اسی وقت قابلِ اعتماد ہوتا ہے جب قیاس کی ساخت و شرائط پوری ہوں؛ ورنہ بظاہر مضبوط بات بھی مغالطہ نکلتی ہے۔ اس جواب میں پہلے قیاس کا مفہوم

اور اس کے بنیادی اجزاء کا تجزیاتی جائزہ پیش کیا جائے گا، پھر قیاسِ اقترانی کی ساخت و خصوصیات مثالوں سے واضح ہوں گی، اس کے بعد قیاسِ استثنائی کا بیان آئے گا اور آخر میں دونوں کا تقابلی جدول و جائزہ پیش کر کے یہ بتایا جائے گا کہ عملی استدلال میں دونوں کا مقام و استعمال کس طرح الگ الگ اور باہم معاون ہے۔

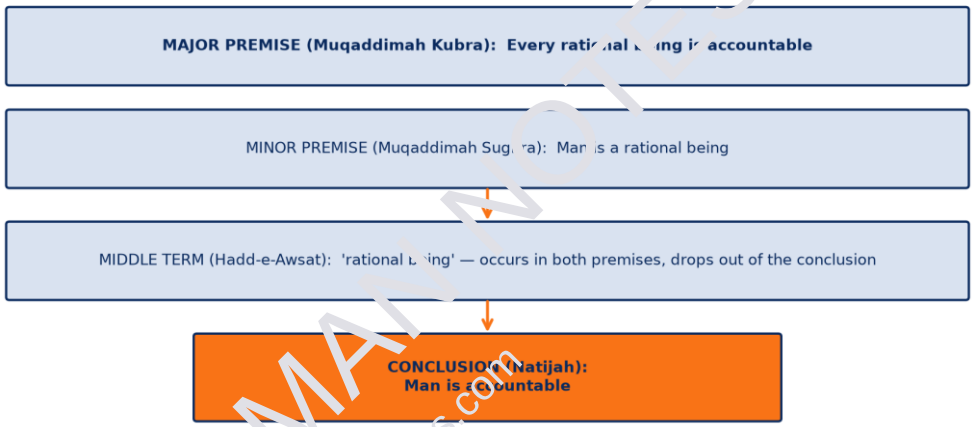
قیاس کا مفہوم

قیاس ایسے مرکب قول کو کہتے ہیں جو ایسے قضیوں پر مشتمل ہو کہ اگر ان قضیوں کو تسلیم کر لیا جائے تو ان سے لازمی طور پر ایک اور قول بذاتِ خود لازم آئے۔ اس تعریف کے تین اجزا غور طلب ہیں۔ اول یہ کہ قیاس میں ایک سے زیادہ قضیے ہوتے ہیں، ایک قضیہ اکیلا قیاس نہیں بنتا۔ دوم یہ کہ ان قضیوں کو تسلیم کرنے کی شرط ہے، یعنی نتیجے کا لزوم مقدمات کے مان لینے پر موقوف ہے۔ سوم یہ کہ نتیجہ مقدمات سے لازم آتا ہے، یعنی مقدمات سچے ہوں اور شکل درست ہو تو نتیجے سے انکار میں تناقض پیدا ہو جائے۔ مثال دیکھیں: ہر انسان فانی ہے، سقراط انسان ہے، لہٰذا سقراط فانی ہے۔ یہاں پہلے دو قضیے مان لیے جائیں تو تیسرا ماننا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ قیاس کی دو بڑی قسمیں اقترانی و استثنائی ہیں جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ یہ بھی یاد رہے کہ قیاس اور اصولِ فقہ کے قیاس میں فرق ہے: وہاں قیاس سے مراد فرع کو اصل کے حکم میں علت کی بنا پر شامل کرنا ہے، جبکہ منطقی قیاس مقدمات سے نتیجہ نکالنے کی عمومی ساخت ہے جو ہر علم میں استعمال ہوتی ہے؛ دونوں میں مشترک بات استدلال کا عمل ہے مگر اصطلاحی دائرے الگ ہیں۔

قیاس کے بنیادی اجزاء کا تجزیاتی جائزہ

ہر قیاسِ اقترانی کے بنیادی اجزا یہ ہیں۔ مقدمہ صغریٰ وہ مقدمہ ہے جس میں نتیجے کا موضوع یعنی حدِ اصغر مذکور ہوتا ہے، جیسے اوپر کی مثال میں سقراط انسان ہے۔ مقدمہ کبریٰ وہ ہے جس میں نتیجے کا محمول یعنی حدِ اکبر مذکور ہوتا ہے، جیسے ہر انسان فانی ہے۔ حدِ اوسط وہ لفظ یا مفہوم ہے جو دونوں مقدموں میں مشترک آئے مگر نتیجے میں نہ آئے، جیسے اس مثال میں انسان؛ یہی وہ پل ہے جو اصغر و اکبر کو جوڑتا ہے۔ نتیجہ وہ قضیہ ہے جس میں حدِ اصغر پر حدِ اکبر کا حکم لگتا ہے، جیسے سقراط فانی ہے۔ تجزیاتی طور پر دیکھا جائے تو قیاس کی کامیابی کا دار و مدار حدِ اوسط کے درست اور یکساں استعمال پر ہے: اگر حدِ اوسط دونوں مقدموں میں ایک ہی معنی میں نہ ہو تو قیاس بظاہر درست لگنے کے باوجود باطل ہو جائے گا، جیسے کوئی کہے ہر پرندے کے پر ہوتے ہیں اور قالین میں بھی پر لگائے جاتے ہیں جیسی شعبدہ بازی والی مثالوں میں لفظ کی دو معنویت نتیجہ خراب کر دیتی ہے۔ اسی طرح مقدمات

کی کمیت و کیفیت کے اصول ہیں کہ دو سالبہ مقدموں سے یا دو جزئیہ مقدموں سے نتیجہ نہیں نکلتا اور نتیجہ ہمیشہ کمزور پہلو یعنی سلب و جزئیت کی طرف تابع ہوتا ہے؛ یہ شرائط یاد کر لینا عملی طور پر غلط استدلال پکڑنے کا سب سے تیز ذریعہ ہے۔



شکل 2: قیاس کی ساخت — مقدمہ کبریٰ، مقدمہ صغریٰ، حدِ اوسط اور نتیجہ۔

قیاسِ اقترانی: ساخت اور خصوصیات

قیاسِ اقترانی وہ قیاس ہے جس میں نتیجہ یا اس کی نقیض بالفعل مذکور نہ ہو بلکہ بالقوہ موجود ہو، یعنی نتیجے کے دونوں اجزا اصغر و اکبر مقدموں میں بکھرے ہوئے ہوں اور استدلال کے بعد جمع ہو کر نتیجہ بنتے ہوں۔ سب سے مشہور مثال یہی ہے: ہر انسان فانی ہے، زید انسان ہے، پس زید فانی ہے۔ اس کی ساخت کی پہچان یہ ہے کہ اس میں تین حدیں ہوتی ہیں، دو مقدمے ہوتے ہیں اور حدِ اوسط حذف ہو کر نتیجہ دیتا ہے۔ حدِ اوسط کی جگہ کے اعتبار سے اس کی چار شکلیں بنتی ہیں جن میں پہلی شکل سب سے کامل و واضح سمجھی جاتی ہے کیونکہ اس میں حدِ اوسط صغریٰ میں محمول اور کبریٰ میں موضوع ہوتا ہے اور نتیجہ بدیہی قیاس سے ظاہر ہوتا ہے۔ اقترانی کی خصوصیات میں یہ باتیں شامل ہیں: یہ براہِ راست کلی قانون سے جزئی معاملے کی طرف آتا ہے، اس کا نتیجہ مقدمات میں چھپا ہوا ہوتا ہے اس لیے دریافت کا لطف و قوت اسی میں ہے، اور اس کی درستی شکل کی شرائط پر موقوف ہے جن کی خلاف ورزی سے مشہور مغالطے پیدا ہوتے ہیں۔ علمی قوانین کا اطلاق، تعلیمی تدریس اور تحقیقی نتائج اخذ کرنا زیادہ تر اسی قالب میں ہوتا ہے۔

قیاسِ اقترانی کی مزید مثال و تنبیہ

ایک اور مثال سے ساخت مزید واضح ہوتی ہے: جو چیز عقل کے خلاف ہو وہ قابلِ قبول نہیں، یہ دعویٰ عقل کے خلاف ہے، پس یہ دعویٰ قابلِ قبول نہیں۔ یہاں حدِ اوسط عقل کے خلاف ہونا ہے جو نتیجے میں موجود نہیں مگر دونوں مقدموں کو جوڑ رہا ہے۔ تنبیہ یہ ہے کہ اقترانی کی مقبولیت کے باوجود اس کے مقدمات کی سچائی الگ سے جانچنا ضروری ہے؛ شکل درست ہونے سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اگر مقدمات سچے ہوں تو نتیجہ سچا ہو گا، مقدمات کی سچائی قیاس خود فراہم نہیں کرتا۔ اسی لیے دانشمندانہ استدلال کے دو مرحلے ہوتے ہیں: پہلے مقدمات کی صحت کا مآخذ سے تعین اور پھر شکل کی شرائط کی جانچ۔ روزمرہ زندگی میں اکثر جھگڑا دوسرے مرحلے سے زیادہ پہلے مرحلے کا ہوتا ہے، یعنی فریقین میں سے ایک ایسے مقدمے کو مسلم سمجھ بیٹھتا ہے جو درحقیقت خود محتاجِ دلیل ہوتا ہے۔ اس صورت میں منطقی علاج یہ ہے کہ متنازع مقدمے کو الگ قضیے کے طور پر ظاہر کر کے اس کی دلیل الگ سے طلب کی جائے، اس سے بحث نتیجے سے ہٹ کر اصل بنیاد پر آ جاتی ہے اور اکثر اختلاف اسی مرحلے پر حل ہو جاتا ہے۔

قیاسِ استثنائی: ساخت اور خصوصیات

قیاسِ استثنائی وہ قیاس ہے جس میں نتیجہ یا اس کی نقیض مقدموں میں بالفعل مذکور ہوتی ہے، یعنی نتیجہ شرطی مقدمے کے اندر پہلے سے موجود ہوتا ہے اور دوسرا مقدمہ اسے مستثنیٰ کر کے ثابت یا رد کرتا ہے۔ اس کی بنیاد قضیہ شرطیہ پر ہوتی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: استثنائیِ متصل اور استثنائیِ منفصل۔ متصل کی مثال یہ ہے: اگر بارش ہوئی ہے تو زمین تر ہو گی، لیکن بارش ہوئی ہے، پس زمین تر ہو گی؛ یا لیکن زمین تر نہیں ہے، پس بارش نہیں ہوئی۔ اس میں مقدم یعنی شرط کے اثبات سے تالی کا اثبات اور تالی کی نفی سے مقدم کی نفی درست ہے، جبکہ تالی کے اثبات سے مقدم کا اثبات یا مقدم کی نفی سے تالی کی نفی لازم نہیں آتی، یہ عام مغالطہ ہے جسے روزمرہ دلائل میں اکثر دیکھا جا سکتا ہے۔ منفصل کی مثال یہ ہے: یہ عدد یا تو جفت ہے یا طاق، لیکن یہ جفت نہیں، پس یہ طاق ہے۔ استثنائی کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مشاہدے اور علامتوں پر استدلال میں بہت کارآمد ہے، جیسے علامت دیکھ کر سبب کا یا سبب دیکھ کر علامت کی نفی کا فیصلہ کرنا۔ طب، تحقیق اور جرم شناسی جیسے شعبوں میں زیادہ تر استدلال اسی دوسری یعنی تالی کی نفی والی درست صورت سے چلتا ہے، اس لیے اس کی درست و نادرست صورتوں کی پہچان عملی زندگی میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔

جدول 3: قیاسِ اقترانی اور قیاسِ استثنائی کا تقابلی جائزہ

پہلو	قیاسِ اقترانی	قیاسِ استثنائی
بنیاد	قضیہ حملیہ والے مقدمات	قضیہ شرطیہ والا بڑا مقدمہ
نتیجے کی حالت	بالقوہ وجود، اجزا مقدموں میں بکھرے ہوتے ہیں	بالفعل موجود یا اس کی نقیض مذکور ہوتی ہے
کلیدی جز	حدِ اوسط جو مقدموں کو جوڑتا ہے	استثنا: مقدم یا تالی کی تعیین / نفی
مثال	ہر انسان فانی ہے؛ زید انسان ہے؛ پس زید فانی ہے	اگر بارش ہوئی تو زمین تر ہو گی؛ بارش ہوئی؛ پس زمین تر ہو گی
عام استعمال	کلی قوانین کا جزئیات پر اطلاق	علامت و شرط پر مبنی فیصلے، جانچ و تحقیق

USMAN NOTES www.usmannotes.com

باہمی فرق کا خلاصہ و تجزیہ

دونوں قیاسوں کا خلاصہ فرق یہ ہے کہ اقترانی میں حرکت مفاہیم و حدوں کے اشتراک سے ہوتی ہے، جبکہ استثنائی میں حرکت شرط و تعلق اور اس کے استثنا سے ہوتی ہے۔ اقترانی میں نتیجہ ایک نیا قضیہ بن کر سامنے آتا ہے، استثنائی میں نتیجہ پہلے سے شرطی قضیے کے اندر چھپا ہوتا ہے اور استدلال اسے منتخب کر کے ظاہر کرتا ہے۔ درستی کی شرائط بھی مختلف ہیں: اقترانی میں حدِ اوسط، کمیت و کیفیت کے قواعد دیکھے جاتے ہیں، جبکہ استثنائی میں مقدم و تالی کے درست تعلقات اور استثنا کی درست دشا دیکھی جاتی ہے۔ عملی طور پر دونوں ایک دوسرے کے حریف نہیں بلکہ معاون ہیں؛ بڑی تحقیقات میں پہلے شرطی تعلقات قائم کیے جاتے ہیں، پھر انہی کو حملی مقدمات بنا کر اقترانی نتائج نکالے جاتے ہیں۔ طالب علم کے لیے اصل مہارت یہ ہے کہ سامنے پیش کی گئی دلیل کو فوراً پہچان لے کہ یہ کس قالب کی ہے، پھر اسی قالب کی شرائط سے اسے پرکھے، کیونکہ غلط قالب کی شرائط لگانا خود ایک مغالطہ ہے جو کتابی حافظے کو عملی فہم سے الگ کرتا ہے۔

نتیجہ

حاصل کلام یہ ہے کہ قیاس تسلیم شدہ قضیوں سے لازمی نتیجہ نکالنے کا نام ہے، اس کے بنیادی اجزا مقدمہ صغریٰ، مقدمہ کبریٰ، حدِ اوسط، حدِ اصغر، حدِ اکبر اور نتیجہ ہیں۔ قیاسِ اقترانی میں نتیجہ بالقوہ ہوتا ہے اور حدِ اوسط دو مقدموں کو بوڑ کر نیا قضیہ بناتا ہے، جبکہ قیاسِ استثنائی میں نتیجہ یا اس کی نقیض شرطی مقدمے میں بالفعل موجود ہوتی ہے اور استثنا اسے متعین کرتا ہے۔ دونوں کی ساخت، شرائط اور استعمال کے میدان الگ ہونے کے باوجود مقصود ایک ہی ہے یعنی ذہن کی غلطی سے حفاظت اور معلوم سے مجہول تک یقینی رسائی۔ ان دونوں قالبوں کی پہچان و پرکھ ہر اس شخص کے لیے ضروری ہے جو دلیل دیتا ہے یا دلیل سنتا ہے۔

سوال نمبر 3 (20 نمبر)

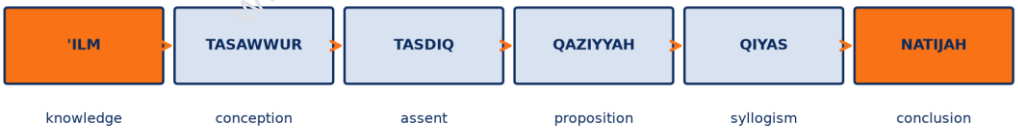
سوال نمبر 3: منطقی استدلال کے بنیادی مباحث کو باہم مربوط کرتے ہوئے علم، تصور، تصدیق، قضیہ اور قیاس کے باہمی تعلق کو واضح کریں اور بتائیں کہ یہ تمام مباحث درست استدلال کی تشکیل میں کس طرح معاون ہوتے ہیں؟ (20)

تعارف

منطق کو اکثر الگ الگ تعریفوں و تقسیمات کا مجموعہ سمجھ کر یاد کیا جاتا ہے، مگر اس کی اصل طاقت ان مباحث کے باہمی ربط میں ہے۔ علم، تصور، تصدیق، قضیہ اور قیاس پانچ الگ جزیرے نہیں بلکہ ایک ہی زنجیر کی پانچ کڑیاں ہیں جن میں ہر اگلی کڑی پچھلی پر بنی ہوتی ہے اور کسی ایک کڑی کی کمزوری پورے استدلال کو کمزور کر دیتی ہے۔ جس طرح عمارت میں بنیاد، دیوار، چھت اور دروازے کا اپنا اپنا کام ہے مگر رہائش ان سب کے اجتماع سے بنتی ہے، اسی طرح درست استدلال بھی ان مباحث کے مجموعی نظام سے بنتا ہے۔ اس جواب میں پہلے ہر بحث کا مقام مختصر مگر واضح انداز میں بیان ہو گا، پھر ان کے باہمی تعلق کو ایک مربوط نقشے کی صورت میں واضح کیا جائے گا، اس کے بعد بتایا جائے گا کہ ہر بحث درست استدلال کی تشکیل میں کس مخصوص مرحلے پر معاون ہوتی ہے، اور آخر میں اس ربط کی عملی اہمیت مثالوں سے ظاہر کی جائے گی تاکہ کتابی ترتیب ذہن میں ایک زندہ نظام کی صورت اختیار کر لے۔

زنجیر کی کڑیاں: ہر بحث کا مقام

پہلی کڑی علم ہے، کیونکہ استدلال کا سارا عمل علم کے اندر ہی وقوع پذیر ہوتا ہے: ہمارے پاس کچھ معلوم باتیں ہوتی ہیں اور ہم ان کے ذریعے نامعلوم تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ دوسری کڑی تصور ہے، کیونکہ علم کی پہلی صورت یہی ہے کہ چیزوں کے مفاہیم ذہن میں واضح ہوں؛ تصورات ہی وہ اینٹیں ہیں جن سے آگے کی عمارت بنتی ہے۔ تیسری کڑی تصدیق ہے، یعنی مفاہیم پر حکم لگانا؛ جب تصورات آپس میں نسبت کرتے ہیں تو ہمیں اثبات یا نفی کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ چوتھی کڑی قضیہ ہے، یعنی اسی تصدیق کی ترتیب یافتہ لفظی صورت جس میں موضوع، محمول، سور اور نسبت متعین ہوتے ہیں اور جو آگے دلیل کی اکائی بنتی ہے۔ پانچویں کڑی قیاس ہے، یعنی قضیوں کو شرائط کے مطابق اس طرح جوڑنا کہ ان سے لازمی نتیجہ نکلے۔ اس ترتیب میں کوئی کڑی زائد نہیں: علم میدان ہے، تصور مواد ہے، تصدیق حکم ہے، قضیہ اس حکم کی صورت ہے اور قیاس ان صورتوں کی ترکیب سے پیدا ہونے والی حرکت ہے جو مجہول سے معلوم کی طرف لے جاتی ہے۔



The chain of sound reasoning: each later stage is built on the earlier ones; a defect anywhere breaks the chain.

شکل 3: منطقی استدلال کی زنجیر — علم سے تصور، تصدیق، قضیہ اور قیاس ہوتے ہوئے نتیجے تک۔

باہمی تعلق کی وضاحت

ان مباحث کا تعلق یک طرفہ انحصار کا ہے اور ہر مرحلہ اگلے مرحلے کی شرط ہے۔ تصور کے بغیر تصدیق ممکن نہیں، کیونکہ جس چیز کا مفہوم ہی ذہن میں نہ ہو اس پر حکم کیسے لگے گا؛ اسی لیے تعریف کی بحث قضیوں سے پہلے آتی ہے۔ تصدیق کے بغیر قضیہ وجود میں نہیں آتا، کیونکہ قضیہ دراصل تصدیق ہی کا لفظی قالب ہے؛ اگر ذہن میں حکم کا اذعان نہ

ہو تو جملہ محض سوال یا امر بن کر رہ جاتا ہے، قضیہ نہیں بنتا۔ قضیے کے بغیر قیاس نہیں بنتا، کیونکہ قیاس قضیوں ہی کی ترکیب ہے، اور قضیے کی ساخت یعنی اس کی کمیت و کیفیت ہی یہ طے کرتی ہے کہ وہ قیاس میں کس جگہ آ سکتا ہے اور اس سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ اس کے برعکس سمت میں دیکھا جائے تو قیاس کا نتیجہ خود ایک نئی تصدیق و نیا علم بنتا ہے، اور پھر وہی نتیجہ آئندہ استدلال میں مقدمہ بن کر آگے استعمال ہوتا ہے، یوں علم کی عمارت منزل بہ منزل اوپر اٹھتی رہتی ہے۔ اسی تسلسل سے وضاحت ہوتی ہے کہ علوم کی بڑی بڑی کتابیں دراصل اسی زنجیر کے ہزاروں دوروں کا حاصل ہوتی ہیں اور ہر نظریہ پرانے ثابت شدہ نتائج کو مقدمہ بنا کر قائم ہوتا ہے۔

جدول 4: مباحث کا باہمی تعلق اور استدلال میں کردار

بحث	مقام و تعریف	اگلے مرحلے سے تعلق	استدلال میں کردار
علم	ذہن میں صورت کا حصول؛ معلوم و مجہول کا میدان	تصور و تصدیق اسی کی صورتیں ہیں	استدلال کا نقطہ آغاز و انجام
تصور	حکم کے بغیر سادہ ادراک	تصدیق کی بنیاد و مواد	اصطلاحات کی وضاحت، تعریف کی صحت
تصدیق	اثبات یا نفی کے حکم سمیت ادراک	قضیے کی صورت میں ڈھلتی ہے	دعوے و حکم کی تشکیل
قضیہ	تصدیق کی ترتیب یافتہ لفظی صورت	قیاس کے مقدمات بنتا ہے	کمیت و کیفیت کی جانچ، تقابل و استنتاج
قیاس	قضیوں کی ایسی ترکیب جس سے نتیجہ لازم آئے	نتیجہ نیا علم بن کر آگے مقدمہ بنتا ہے	مجہول تصدیق تک یقینی رسائی

یہ مباحث درست استدلال میں کس طرح معاون ہوتے ہیں: مرحلہ وار تجزیہ

درست استدلال کی تشکیل میں ہر بحث ایک مخصوص خرابی کو روکتی ہے۔ علم کی تقسیم معلوم و مجہول کا شعور دیتی ہے، اس سے استدلال کرنے والا یہ جانتا ہے کہ اسے کس چیز کی تلاش ہے اور کس چیز کو بنیاد بنانا ہے؛ جو شخص اپنے مجہول کو نہ پہچانے وہ دلیل کے بجائے باتیں جمع کرتا رہتا ہے۔ تصورات کی بحث اور اس کے ذیل میں تعریف کے اصول اصطلاحی ابہام کو ختم کرتے ہیں؛ جب موضوع و محمول کے مفاہیم متعین ہوں تو حدِ اوسط کی دو معنویت جیسے خطرناک مغالطے سے بچا جاتا ہے۔ تصدیق کی بحث حکم کی نوعیت کا شعور دیتی ہے کہ کہاں یقین ہے، کہاں ظن ہے اور کہاں محض امکان ہے، اس سے دعوے کی قوت کا درست اندازہ لگتا ہے۔ قضیے کی بحث کمیت و کیفیت کی جانچ سکھاتی ہے جس سے کلی دعوے کو جزئی ثبوت سے یا جزئی مثال سے کلی نتیجہ نکالنے جیسی غلطیاں پکڑی جاتی ہیں۔ قیاس کی بحث ترکیب کی شرائط فراہم کرتی ہے جن کے بغیر سچے مقدمات سے بھی غلط نتیجہ نکل سکتا ہے۔ یوں ہر بحث استدلال کے ایک دروازے پر پہرہ دیتی ہے اور پانچوں کے اجتماع سے دلیل قابلِ اعتماد بنتی ہے۔

ایک مکمل مثال سے مربوط اطلاق

ایک مکمل مثال لیں: دعویٰ یہ ہے کہ یہ طالب علم امتحان میں کامیاب ہو گا۔ زنجیر کو ابتدا سے چلائیں۔ پہلے تصورات واضح کریں: طالب علم، باقاعدہ محنت اور کامیابی کے مفاہیم متعین ہوں؛ اگر کامیابی سے مراد صرف پاس ہونا ہے اور دوسرا فریق اس سے اول آنا مراد لے رہا ہے تو بحث سے پہلے تعریف طے کرنا ہو گی۔ پھر تصدیقات قائم کریں: جو طالب علم باقاعدہ محنت کرتا ہے وہ عموماً کامیاب ہوتا ہے، یہ ایک تصدیق ہے؛ یہ طالب علم باقاعدہ محنت کرتا ہے، یہ دوسری تصدیق ہے۔ پھر ان تصدیقات کو قضیوں کی صورت دیں: پہلا قضیہ موجبہ کلیہ کی صورت میں رکھیں تاکہ اس کی کمیت واضح ہو اور دوسرا قضیہ شخصی صورت میں۔ پھر قیاس کی ترکیب کریں: حدِ اوسط باقاعدہ محنت ہو گی، اور نتیجہ لازم آئے گا کہ یہ طالب علم کامیاب ہو گا۔ اس مثال میں دیکھا جا سکتا ہے کہ اگر پہلے مرحلے میں کامیابی کی تعریف طے نہ ہوتی تو نتیجہ بھی متنازع رہتا، اگر پہلا قضیہ جزئی مشاہدوں سے غلط طور پر کلی بنا لیا جاتا تو بنیاد کمزور رہتی، اور اگر ترکیب میں حدِ اوسط بدل جاتی تو نتیجہ فساد کا شکار ہو جاتا۔ یہی مربوط عمل تحقیق، تدریس اور تحریر کے ہر سنجیدہ کام میں دہرایا جاتا ہے، خواہ عامل کو اصطلاحات یاد ہوں یا نہ ہوں۔

زنجیر ٹوٹنے کی صورتیں اور ان کا علاج

اس مربوط نقشے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ غلط استدلال کی تشخیص مقام کے تعین سے آسان ہو جاتی ہے۔ اگر اختلاف تعریف پر ہے تو اس کا علاج دلیل نہیں بلکہ اصطلاح کی تعیین ہے۔ اگر تعریف متفق ہے مگر مقدمہ متنازع ہے تو علاج اسی مقدمے کے لیے الگ دلیل یا ماخذ کی تحقیق ہے۔ اگر مقدمات متفق ہیں مگر نتیجہ نہیں مانا جا رہا تو جانچ ترکیب کی ہو گی کہ حدِ اوسط، کمیت و کیفیت کی شرائط پوری ہیں یا نہیں۔ اگر نتیجہ درست نکل بھی آئے مگر اس سے آگے اس بنیاد پر نئی عمارت اٹھانے میں جلدی کی جائے تو احتیاط یہ ہے کہ اس نتیجے کی یقینی یا ظنی حیثیت درج کر دی جائے تاکہ آگے کی بحث اسی مضبوط یا کمزور بنیاد سے چلے۔ تدریس میں بھی یہی ترتیب مفید ہے: استاد پہلے مفاہیم واضح کرے، پھر سادہ احکام دے، پھر قضیوں کی شناخت کرائے اور پھر دلیل کی ترکیب سکھائے؛ اس ترتیب کو الٹ دینے سے طلبہ میں وہی الجھن پیدا ہوتی ہے جو اکثر منطق کو مشکل مضمون کہنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، حالانکہ مشکل منطق نہیں بلکہ اس کی بے ترتیب پیشکش ہوتی ہے۔

علومِ اسلامیہ کے تناظر میں ربط کی اہمیت

علومِ اسلامیہ میں اس زنجیر کی اہمیت خاص طور پر نمایاں ہے، کیونکہ وہاں استدلال کا مواد نصوص و روایات بھی ہیں اور عقلی مقدمات بھی۔ کسی حکم کی بحث میں پہلے اصطلاحات کے تصورات طے ہوتے ہیں، پھر نص کے مفہوم پر تصدیق قائم ہوتی ہے، پھر اس سے قضیے بنتے ہیں اور اصولی قواعد کے مطابق قیاسی ترکیب سے نتیجہ نکلتا ہے۔ اس پورے عمل میں منطق کا کردار معاون و ناظم کا ہے، ماخذ کا نہیں؛ اصل حجت قرآن و سنت اور ان پر مبنی اجماع و اجتہاد ہے، جبکہ حتمی دینی نتائج کا اختیار اہلِ علم ہی کے پاس رہتا ہے۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ مربوط نقشے کو دیکھ کر کوئی یہ گمان نہ کرے کہ منطقی ترکیب اکیلے دینی حکم پیدا کر دیتی ہے؛ استدلال کی صحت مواد کی صحت اور ماخذ کی حجیت دونوں کے ساتھ مشروط رہتی ہے اور یہی توازن اس مضمون کا علمی مزاج ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ علم، تصور، تصدیق، قضیہ اور قیاس ایک مربوط زنجیر ہیں: علم میدان ہے، تصور بنیادی مواد، تصدیق حکم، قضیہ اس حکم کی باقاعدہ صورت، اور قیاس قضیوں کی شرائط پر مبنی ترکیب ہے جس کا نتیجہ نیا علم بن کر سامنے آتا ہے۔ درست استدلال ان پانچوں کے اجتماع ہی سے بنتا ہے، کیونکہ علم معلوم و مجہول کا شعور دیتا ہے، تصور ابہام دور کرتا ہے، تصدیق دعوے کی قوت بتاتی ہے، قضیہ کمیت و کیفیت کا سانچہ ممکن بناتا ہے اور قیاس لزومِ نتیجہ کی ضمانت کی شرائط فراہم کرتا ہے۔ جو طالب علم اس ربط کو سمجھ لے اس کے لیے منطق کا پورا نقشہ ایک نظام بن جاتا ہے اور وہ کسی بھی دلیل کو اس کی درست کڑی پر رکھ کر پرکھ سکتا ہے۔

سوال نمبر 4 (20 نمبر)

سوال نمبر 4: روزمرہ زندگی، علمی تحقیق یا علومِ اسلامیہ میں کسی ایک مسئلے کا انتخاب کرتے ہوئے منطق کے اصولوں کی روشنی میں اس مسئلے کے لیے ایک درست منطقی استدلال تشکیل دیں، جس میں قضیہ، موضوع و محمول، قیاس اور نتیجے کی واضح نشان دہی ہو۔ (20)

تعارف اور مسئلے کا انتخاب

اس سوال میں کسی ایک مسئلے پر مکمل منطقی استدلال تشکیل دینا مقصود ہے، اس لیے ایسا مسئلہ منتخب کیا گیا ہے جو روزمرہ زندگی سے بھی تعلق رکھتا ہو، علومِ اسلامیہ کے اصولِ تحقیق سے بھی جڑا ہو اور آج کے ہر طالب علم کو عملی طور پر پیش بھی آتا ہو۔ منتخب مسئلہ یہ ہے: سوشل میڈیا یا پیغامات کے ذریعے موصول ہونے والی کسی خبر یا دعوے کو بغیر تحقیق آگے بڑھانا یعنی فارورڈ کرنا درست ہے یا نہیں، اور اس خبر کے بارے میں فیصلہ کس منطقی ترتیب سے کیا جائے۔ یہ مسئلہ اس لیے موزوں ہے کہ اس میں تصورات کی تعریف بھی درکار ہے، قضیے بھی بنتے ہیں، قیاس کی دونوں مشہور صورتیں بھی استعمال ہوتی ہیں اور نتیجہ بھی واضح و قابلِ عمل نکلتا ہے۔ اسلامی علمی روایت میں خبر کی تحقیق کا اصول معروف ہے اور قرآن مجید کی سورۃ الحجرات میں اس مضمون کی طرف رہنمائی موجود ہے کہ خبر ملنے پر تحقیق کر لی جائے تاکہ نادانی میں کسی کو نقصان نہ پہنچے، البتہ اس

جواب میں آیت کا ترجمہ یا متن بطور نقل پیش نہیں کیا جا رہا، صرف اس کے مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اصل استدلال منطقی مقدمات پر قائم کیا گیا ہے، کیونکہ سوال کا تقاضا بھی یہی ہے۔

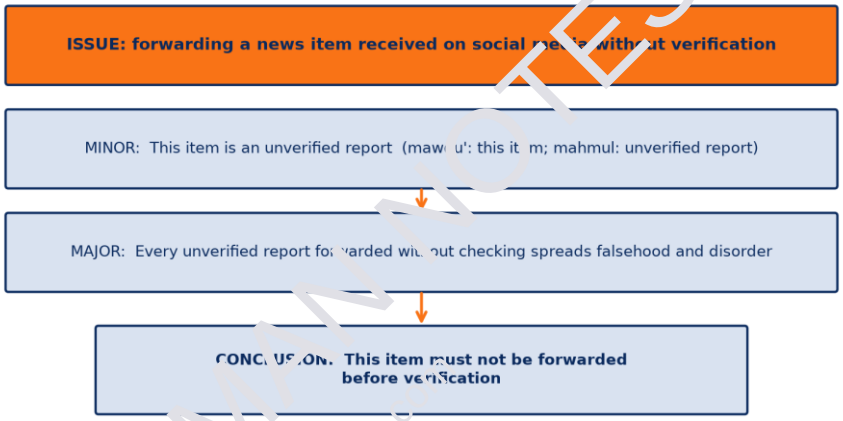
مرحلہ اول: تصورات کی تعیین اور جنس کی نشان دہی

منطق کا پہلا قاعدہ یہ ہے کہ استدلال سے پہلے تصورات متعین کیے جائیں۔ اس مسئلے کے بنیادی تصورات یہ ہیں۔ خبر سے مراد کسی واقعے یا بات کے بارے میں وہ اطلاع ہے جو کسی ذریعے سے ہم تک پہنچے۔ مستند خبر وہ ہے جس کا ماخذ معلوم و قابلِ اعتماد ہو اور اس کی تائید مضبوط ذریعے سے ہوتی ہو۔ غیر مستند خبر وہ ہے جس کا ماخذ نامعلوم ہو یا تائید موجود نہ ہو۔ تحقیق سے مراد اس خبر کے ماخذ و تائید کی معقول جانچ ہے۔ آگے بڑھانے سے مراد اسے دوسروں تک اس طرح پہنچانا ہے کہ وہ سننے والے کے لیے بھی خبر بن جائے۔ جنس کے اعتبار سے منتخب خبر کی جنس خبر ہے، کیونکہ وہ اطلاعات کے اس وسیع گروہ میں آتی ہے جس میں مستند و غیر مستند دونوں قسمیں شامل ہیں۔ نوع کے درجے پر یہ مخصوص اطلاع اس وقت غیر مستند خبر کے زمرے میں رکھی جائے گی جب جانچ سے اس کی عدمِ تصدیق ظاہر ہو۔ یہ تعیین اس لیے ضروری تھی کہ اگر خبر کی تعریف ہی مبہم رہتی تو آگے کے قضیے اور قیاس بھی مبہم رہتے اور نتیجہ کسی کو قائل نہ کر پاتا۔

مرحلہ دوم: قضیوں کی تشکیل اور موضوع و محمول کی نشان دہی

اب ان تصورات سے قضیے بنائے جاتے ہیں۔ پہلا قضیہ یہ ہے: یہ موصول شدہ اطلاع غیر مستند خبر ہے۔ اس قضیے میں موضوع یہ موصول شدہ اطلاع ہے اور محمول غیر مستند خبر ہے، اور نسبت اثبات کی ہے، یعنی اس اطلاع کے لیے غیر مستند ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔ یہ قضیہ شخصی نوعیت کا ہے کیونکہ اس کا موضوع ایک معین اطلاع ہے۔ دوسرا قضیہ یہ ہے: ہر غیر مستند خبر کو بغیر تحقیق آگے بڑھانا جھوٹ پھیلانے اور نقصان کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ موجبہ کلیہ ہے، اس میں موضوع غیر مستند خبر ہے، محمول بغیر تحقیق آگے بڑھائے جانے پر جھوٹ و نقصان کا ذریعہ بننا ہے، اور سور ہر ہے جو حکم کی کلیت ظاہر کرتا ہے۔ یہ دوسرا قضیہ اس استدلال کا بڑا مقدمہ ہے اور اس کی تائید مشاہدے و تجربے سے بھی ہوتی ہے کہ بے بنیاد خبریں افواہ، بدگمانی اور کبھی عملی نقصان کا سبب بنتی ہیں، اور علمی تحقیق کے عمومی اصول سے بھی ہوتی ہے کہ غیر ثابت شدہ بات کو ثابت شدہ کے طور پر

پیش کرنا دیانت کے خلاف ہے۔ تیسرا مطلوب قضیہ نتیجے کی صورت میں آگے آئے گا۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اگر کوئی خبر بعد میں مستند ثابت ہو جائے تو وہ اس کلی قضیے کے موضوع میں داخل ہی نہیں رہتی، اس لیے نتیجہ خود بخود صرف انہی خبروں تک محدود رہتا ہے جو واقعی غیر مستند ہوں۔



شکل 4: منتخب مسئلے کا منطقی نقشہ — موضوع و محمول کی نشان دہی کے ساتھ قیاس اور نتیجہ۔

مرحلہ سوم: قیاسِ اقترانی کی تشکیل

اب دونوں قضیوں کو قیاسِ اقترانی کی پہلی شکل میں ترتیب دیا جاتا ہے۔ مقدمہ کبریٰ: ہر غیر مستند خبر کو بغیر تحقیق آگے بڑھانا جھوٹ پھیلانے اور نقصان کا ذریعہ بنتا ہے۔ مقدمہ صغریٰ: یہ موصول شدہ اطلاع غیر مستند خبر ہے، اور اسے آگے بڑھانے کی صورت بھی اس قضیے کے اطلاق میں اس طرح شامل ہے کہ اس اطلاع کو آگے بڑھانا غیر مستند خبر کو آگے بڑھانا ہی ہے۔ حدِ اوسط غیر مستند خبر ہے، جو دونوں مقدموں میں ایک ہی معنی میں استعمال ہوئی ہے اور نتیجے میں نہیں آئے گی۔ حدِ اصغر یہ اطلاع ہے اور حدِ اکبر جھوٹ پھیلانے و نقصان کا ذریعہ بننے والا عمل ہے۔ نتیجہ: پس اس اطلاع کو بغیر تحقیق آگے بڑھانا جھوٹ پھیلانے اور نقصان کا ذریعہ بنتا ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ غور کریں کہ نتیجے میں موضوع و محمول دونوں موجود ہیں اور حدِ اوسط غائب ہے، کمیت و کیفیت کی شرائط بھی پوری ہیں، کبریٰ کلیہ ہے اور نتیجہ اسی کے تابع آیا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں استدلال کی منطقی جانچ قاری خود بھی کر سکتا ہے، کیونکہ اجزا کی نشان دہی اس قدر واضح ہے کہ کوئی دھوکا باقی نہیں رہتا۔

جدول 5: تشکیل شدہ استدلال کا اجزائی نقشہ

نشان دہی	عبارت	جز
موضوع: یہ اطلاع؛ محمول: غیر مستند خبر	یہ اطلاع غیر مستند خبر ہے	مقدمہ صغریٰ
موضوع: غیر مستند خبر؛ محمول: جھوٹ و نقصان کا ذریعہ بننا؛ سور: ہر	ہر غیر مستند خبر کو بغیر تحقیق آگے بڑھانا جھوٹ و نقصان کا ذریعہ بنتا ہے	مقدمہ کبریٰ
دونوں مقدموں میں مشترک، نتیجے میں غائب	غیر مستند خبر	حدِ اوسط
موضوع: اس اطلاع کو آگے بڑھانا؛ محمول: جھوٹ و نقصان کا ذریعہ بننا	اس اطلاع کو بغیر تحقیق آگے بڑھانا جھوٹ و نقصان کا ذریعہ بنتا ہے، اس سے اجتناب لازم ہے	نتیجہ

USMAN NOTES www.usmannotes.com

مرحلہ چہارم: قیاسِ استثنائی سے تائید

اسی مسئلے کو قیاسِ استثنائی سے بھی پرکھا جا سکتا ہے جو اس نتیجے کی تائید کرے گا۔ شرطی مقدمہ یوں بنتا ہے: اگر کوئی خبر مستند طور پر ثابت ہو جائے تو اسے احتیاط کے ساتھ آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ اب دو درست صورتیں دیکھیں۔ پہلی صورت: لیکن یہ خبر مستند طور پر ثابت نہیں ہوئی، پس اسے آگے بڑھانے کی وہ اجازت والی صورت یہاں حاصل نہیں۔ اس صورت کی منطقی بنیاد یہ ہے کہ شرطی قضیے میں جس جواز کو ثبوتِ استناد پر معلق کیا گیا تھا وہ شرط پوری نہ ہونے سے جواز بھی حاصل نہیں ہوتا، اس لیے عملاً رکنا لازم آتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر بعد میں تحقیق سے خبر ثابت ہو جائے تو اسی شرط کے تحت اسے ذمہ داری کے ساتھ نقل کیا جا سکتا ہے۔ یہاں اس عام مغالطے سے بھی بچنا چاہیے کہ خبر کے نقصان دہ نہ ہونے سے یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ ثابت بھی ہو گئی ہے؛ استثنائی قیاس میں تالی کے اثبات سے مقدم کا اثبات لازم نہیں آتا، یعنی محض یہ دیکھ کر کہ

کسی نے خبر بھیجی اور فوری نقصان ظاہر نہ ہوا، خبر کی سچائی ثابت نہیں ہوتی۔ اس اضافی وضاحت سے استدلال دو قالبوں میں ثابت ہو گیا اور نتیجہ محض ایک اخلاقی نصیحت کے بجائے منطقی طور پر مربوط فیصلہ بن گیا۔

نتیجے کا اطلاق، حدود اور عملی طریقہ کار

اس استدلال کا عملی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ موصول شدہ خبر کو آگے بڑھانے سے پہلے تین کام کرنے چاہئیں: ماخذ دیکھا جائے کہ خبر کہاں سے آئی ہے، تائید تلاش کی جائے کہ کوئی قابلِ اعتماد دوسرا ذریعہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے یا نہیں، اور جب تک یہ دونوں باتیں واضح نہ ہوں خبر کو روک لیا جائے۔ اس نتیجے کی حدود بھی واضح رہنی چاہئیں۔ اول یہ کہ اگر خبر بعد میں مستند ثابت ہو جائے تو حکم بدل جائے گا، کیونکہ موضوع کی نوعیت بدل گئی ہے۔ دوم یہ کہ تحقیق کی مقدار خبر کی اہمیت کے تناسب سے ہو گی؛ معمولی بات میں سادہ جانچ کافی ہے اور حساس یا کسی کی عزت و نقصان سے متعلق خبر میں تحقیق کا معیار بہت بلند ہو گا۔ سوم یہ کہ یہ استدلال عمومی اصول دیتا ہے، کسی خاص شخص یا واقعے پر حتمی الزام یا فتویٰ نہیں دیتا؛ کسی معین معاملے میں شرعی یا قانونی حکم درکار ہو تو اس کا اختیار اہلِ علم، مفتیانِ کرام اور عدالتوں جیسے مجاز فورمز کا ہے، منطق یہاں صرف فیصلے کی درست ساخت فراہم کرتی ہے۔ اسی توازن کے ساتھ یہ مثال دکھاتی ہے کہ قضیہ، موضوع، محمول، قیاس اور نتیجہ کی نشان دہی والی مشق محض کتابی نہیں بلکہ روزانہ کے ڈیجیٹل رویے کو درست کرنے کا عملی اوزار ہے۔

نتیجہ

حاصل یہ ہے کہ سوشل میڈیا کی غیر مستند خبر کو بغیر تحقیق آگے بڑھانے کے مسئلے پر ایک مکمل منطقی استدلال تشکیل دیا گیا جس میں پہلے تصورات و جنس کی تعیین ہوئی، پھر موضوع و محمول کی واضح نشان دہی کے ساتھ قضیے بنے، پھر حدِ اوسط کی درستی کے ساتھ قیاسِ اقترانی سے نتیجہ نکلا کہ ایسی خبر کو آگے بڑھانا جھوٹ و نقصان کا ذریعہ بنتا ہے اس لیے اس سے اجتناب لازم ہے، اور قیاسِ استثنائی سے اس کی تائید کے ساتھ نتیجے کی حدود و عملی طریقہ کار بھی بیان ہوا۔ اس مثال سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ جب استدلال کے تمام اجزا نام لے کر نشان زد کر دیے جائیں تو دلیل شفاف ہو جاتی ہے، اس کی کمزوری بھی خود ظاہر ہو جاتی ہے اور نتیجہ بھی ذمہ داری کے ساتھ قابلِ قبول بنتا ہے۔

سوال نمبر5 (20نمبر)

سوال نمبر5: استقراء کے مفہوم اور حکم کو واضح کرتے ہوئے منطقی استدلال میں اس کی اہمیت بیان کریں، نیز استقراء کی اقسام کو مناسب مثالوں کے ساتھ واضح کریں اور قیاس کے ساتھ اس کا تقابلی جائزہ پیش کریں۔(20)

تعارف

انسانی علم کے دو بڑے راستے ہیں: ایک یہ کہ کلی اصول سے جزئی معاملے کی طرف آیا جائے، اور دوسرا یہ کہ جزئی مشاہدات جمع کر کے ان سے کلی اصول تک پہنچا جائے۔ دوسرے راستے کا نام استقراء ہے۔ سائنس کی تجرباتی ترقی، عام زندگی کے روزمرہ فوائد، زبان کے قواعد اور بہت سے علمی کلیات اسی راستے سے بنے ہیں۔ اس کے باوجود استقراء کو سمجھے بغیر اس کا استعمال خطرناک بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ چند مشاہدات سے بڑا کلی دعویٰ کر دینا سب سے عام منطقی غلطیوں میں سے ہے۔ اس جواب میں پہلے استقراء کا مفہوم و حکم واضح کیا جائے گا، پھر منطقی استدلال میں اس کی اہمیت بیان ہو گی، اس کے بعد اس کی اقسام مثالوں کے ساتھ پیش ہوں گی، اور آخر میں قیاس کے ساتھ اس کا تقابلی جائزہ اس طرح دیا جائے گا کہ دونوں طریقوں کی قوت، کمزوری اور باہمی تکمیل پوری طرح واضح ہو جائے اور طالب علم یہ فیصلہ کر سکے کہ کس موقع پر کون سا طریقہ استعمال کرنا مناسب ہے۔

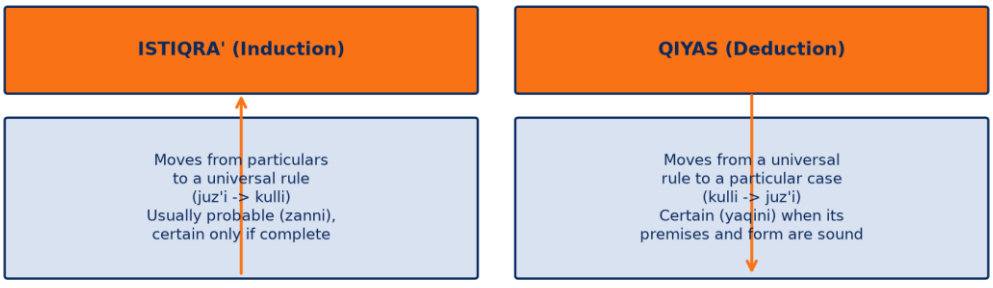
استقراء کا مفہوم

استقراء کے لغوی معنی تلاش و جستجو اور ایک ایک کر کے جانچنے کے ہیں۔ اصطلاحاً استقراء وہ استدلال ہے جس میں جزئیات کا مطالعہ و تتبع کر کے ان کی بنیاد پر کسی کلی کے بارے میں حکم لگایا جائے، یعنی ذہن افراد سے گزر کر جنس و نوع کے بارے میں عام نتیجہ اخذ کرے۔ مثال کے طور پر جب ہم دیکھتے ہیں کہ آگ سے دھواں اٹھتا ہے، لوہا گرم ہو کر پھیلتا ہے اور مشاہدے میں آنے والی ہر دھات حرارت سے اثر لیتی ہے، تو ان جزئی مشاہدات سے یہ کلی حکم بنایا جاتا ہے کہ دھاتیں گرم ہونے پر پھیلتی ہیں، یہی استقراء ہے۔ تعلیم میں جب استاد کئی مثالوں سے قاعدہ سمجھاتا ہے تو وہ بھی طلبہ کو استقرائی راستے سے کلی تک لے جاتا ہے۔ استقراء کی اصل روح تتبع یعنی پیچھا کر کے جانچنے میں ہے: جتنے

زیادہ و متنوع افراد کا مطالعہ ہو گا، کلی حکم اتنا ہی مضبوط ہو گا، اور جتنے کم مشاہدات ہوں گے اتنا ہی حکم احتیاط کا محتاج رہے گا۔ اسی لیے استقراء کو تجربے و مشاہدے کا استدلال کہا جاتا ہے اور اس کا مرکز جزئیات کی سچی و مکمل رپورٹنگ ہوتی ہے۔

استقراء کا حکم: یقین یا ظن

استقراء کے حکم سے مراد یہ ہے کہ اس سے حاصل ہونے والا نتیجہ کس درجے کی قوت رکھتا ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ اگر استقراء تام ہو، یعنی کلی کے تمام افراد کا احاطہ کر لیا گیا ہو اور ایک فرد بھی باقی نہ رہا ہو، تو نتیجہ یقینی ہوتا ہے، کیونکہ اس میں خلاف مثال کی گنجائش ہی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر عموماً تمام افراد کا احاطہ ناممکن ہوتا ہے، انسان محدود وقت و وسائل میں بعض افراد ہی دیکھ پاتا ہے، اس لیے عام استقراء کا نتیجہ ظنی ہوتا ہے، یعنی غالب گمان کی حد تک مضبوط مگر نظری طور پر خلاف مثال کے احتمال سے خالی نہیں۔ مثالیں دیکھیں: سورج ہزاروں برس سے مشرق سے نکلتا دیکھا گیا ہے، اس استقراء کی قوت اتنی زیادہ ہے کہ عملی زندگی میں اس پر یقین جیسا عمل ہوتا ہے، پھر بھی منطقی درجہ بندی میں اسے مشاہداتی استقراء ہی کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس تین چار افراد کو دیکھ کر کسی پوری قوم یا پیشے کے بارے میں کلی حکم لگا دینا کمزور استقراء ہے جسے جلد بازی کا استقراء کہا جاتا ہے۔ یہ حکم سمجھ لینے سے طالب علم میں وہ علمی تواضع پیدا ہوتی ہے جو تحقیق کی پہلی شرط ہے: دعوے کی قوت ہمیشہ ثبوت کی مقدار کے تناسب سے رکھی جائے، نہ زیادہ نہ کم۔



The two methods complete each other: induction discovers rules, deduction applies and tests them.

شکل 5: استقراء اور قیاس کی سمت و نوعیت کا موازنہ — جزئی سے کلی اور کلی سے جزئی۔

منطقی استدلال میں استقراء کی اہمیت

استقراء کی اہمیت کئی پہلوؤں سے واضح ہے۔ اول یہ کہ یہی طریقہ نئے قوانین و کلیات کی دریافت کا ذریعہ ہے؛ قیاس موجود مقدمات سے نتیجہ نکالتا ہے مگر خود مقدمات و کلی اصول اکثر استقراء ہی سے حاصل ہوتے ہیں، اس لیے استقراء علم کی توسیع کا انجن ہے۔ دوم یہ کہ تجرباتی علوم کی بنیاد یہی ہے: لیبارٹری کے تجربات، طب کے مشاہدات اور زراعت و موسم کے اندازے سب جزئی نتائج کو جمع کر کے عام اصول بنانے کا نام ہیں۔ سوم یہ کہ روزمرہ فیصلے بھی اسی پر چلتے ہیں، جیسے کسی دکان، استاد یا راستے کے بارے میں سابقہ تجربات سے رائے بنانا۔ چہارم یہ کہ علومِ اسلامیہ میں بھی اہلِ علم نے نصوص و جزئی احکام کے تتبع سے کلی قواعد اخذ کیے ہیں، مثلاً فقہی قواعدِ کلیہ کا ایک بڑا حصہ جزئی مسائل کے استقرائی مطالعے سے مرتب ہوا ہے، البتہ ان قواعد کا اطلاق اور شرعی احکام کا حتمی تعین اہلِ اجتہاد و اہلِ علم کے دائرے میں رہتا ہے، استقراء وہاں تحقیق کا معاون طریقہ ہے۔ پنجم یہ کہ استقراء قیاس کی جانچ کا بھی ذریعہ ہے، کیونکہ اگر کسی کلی مقدمے کے خلاف مستند مثال مل جائے تو وہ مقدمہ محدود یا درست کرنا پڑتا ہے۔ یوں استقراء کے بغیر علم جامد ہو جائے اور قیاس کے بغیر بے ترتیب؛ دونوں کی بقا ایک دوسرے کے ساتھ ہے۔

استقراء کی اقسام

استقراء کی بنیادی تقسیم تام و ناقص کی ہے۔ استقراءِ تام وہ ہے جس میں کلی کے تمام افراد کا مطالعہ کر لیا جائے۔ اس کی مثال اس وقت بنتی ہے جب افراد کی تعداد محدود و معلوم ہو، جیسے ایک جماعت کے تمام طلبہ کے نام سنانے کی جانچ کر کے یہ حکم لگانا کہ اس جماعت کے تمام طلبہ نے سبق سنا دیا ہے، یا سال کے بارہ مہینوں کے نام گن کر ان کے بارے میں کلی حکم دینا۔ ایسے استقراء کا نتیجہ یقینی ہوتا ہے مگر اس کا دائرہ عموماً محدود ہوتا ہے۔ استقراءِ ناقص وہ ہے جس میں بعض افراد کا مطالعہ کر کے پورے کلی پر حکم لگایا جائے؛ روزمرہ اور سائنسی استقراء کی اکثریت اسی قسم کی ہے۔ استقراءِ ناقص کی قوت کا دار و مدار مشاہدات کی تعداد، ان کی تنوع اور خلاف مثال کی عدم موجودگی پر ہوتا ہے۔ اس کی مضبوط صورت وہ ہے جب مشاہدات بہت زیادہ ہوں اور علت و سبب کی تفہیم بھی شامل ہو، جیسے طب میں ہزاروں مریضوں پر دوا کے اثر کا مطالعہ؛ اور کمزور صورت وہ ہے جب

چند محدود نمونوں سے حکم لگایا جائے، جیسے ایک بازار کی دو دکانیں دیکھ کر پورے شہر کی تجارت پر رائے دے دینا۔ بعض اہلِ منطق نے علت کی بنیاد پر استقراء کو مزید مضبوط قرار دیا ہے جب جزئیات کے ساتھ حکم کی علت بھی سمجھ آ جائے، کیونکہ علت معلوم ہو جائے تو حکم صرف دیکھے گئے افراد تک محدود رہنے کے بجائے علت والے تمام معاملات تک پھیل سکتا ہے۔

جدول 6: استقراء کی اقسام

قسم	تعریف	مثال	نتیجے کی قوت
استقراءِ تام	تمام افراد کا احاطہ کر کے حکم	جماعت کے تمام طلبہ کی جانچ کر کے کلی حکم	یقینی
استقراءِ ناقص (مضبوط)	بہت سے متنوع افراد کے مطالعے سے حکم	ہزاروں تجربات کے بعد دھاتوں کے پھیلنے کا قانون	قوی ظن، عملی اعتبار سے مضبوط
استقراءِ ناقص (کمزور)	چند محدود افراد سے حکم	دو واقعات دیکھ کر پورے شہر پر رائے	کمزور ظن، احتیاط لازم

استقراء اور قیاس کا تقابلی جائزہ

قیاس و استقراء دونوں استدلال ہیں مگر ان کی سمت و قوت میں بنیادی فرق ہے۔ قیاس میں حرکت کلی سے جزئی کی طرف ہوتی ہے: پہلے عام قانون ہوتا ہے پھر اس کے تحت خاص معاملہ لایا جاتا ہے، اور اگر مقدمات یقینی ہوں اور شکل درست ہو تو نتیجہ یقینی ہوتا ہے۔ استقراء میں حرکت جزئی سے کلی کی طرف ہوتی ہے: پہلے خاص مشاہدات ہوتے ہیں پھر ان سے عام قانون بنتا ہے، اور عام صورت میں نتیجہ ظنی رہتا ہے۔ قیاس میں نتیجہ مقدمات میں مضمر ہوتا ہے، اس لیے اس میں نئی معلومات پیدا کرنے کے بجائے موجود علم کو منظم کر کے لاگو کرنے کی قوت زیادہ ہے؛ استقراء میں نتیجہ مشاہدات سے آگے بڑھتا ہے، اس لیے اس میں دریافت و وسعت کی قوت زیادہ ہے مگر رسک بھی اسی تناسب

سے بڑا ہے۔ ایک اور فرق یہ ہے کہ قیاس کی جانچ شکل و شرائط سے ہوتی ہے جبکہ استقراء کی جانچ نمونوں کی مقدار و معیار سے ہوتی ہے۔ مثالی تقابل یوں ہے: استقراء نے بتایا کہ دھاتیں گرم ہو کر پھیلتی ہیں، اب قیاس کہتا ہے کہ یہ لوہے کی پٹڑی دھات ہے اور گرم ہو رہی ہے، پس یہ پھیلے گی اور اسی حساب سے انجینئر جوڑوں میں جگہ چھوڑنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ یہ مثال دکھاتی ہے کہ دونوں نظام علم کے دو پہیے ہیں، ایک اصول بناتا ہے اور دوسرا اصول کو چلاتا ہے۔

جدول 7: استقراء بمقابلہ قیاس

پہلو	استقراء	قیاس
سمت	جزئی سے کلی کی طرف	کلی سے جزئی کی طرف
نتیجے کی قوت	عام طور پر ظنی؛ تام ہو تو یقینی	مقدمات یقینی ہوں تو یقینی
بنیاد	مشاہدہ و تتبع جزئیات	مسلم مقدمات کی ترکیب
کردار	نئے اصول و قوانین کی دریافت	اصول کا اطلاق و نتیجے کا لزوم
عام کمزوری	جلد بازی میں چند مثالوں سے کلی حکم	غلط مقدمہ یا حدِ اوسط کی دو معنویت

استقراء کے درست استعمال کی شرائط و احتیاطیں

استقراء کو قابلِ اعتماد بنانے کے لیے چند احتیاطیں ضروری ہیں جو اس سوال کا خلاصۂ عمل بھی ہیں۔ پہلی یہ کہ نمونے کافی تعداد میں اور مختلف حالات و مقامات سے لیے جائیں تاکہ اتفاقی یکسانیت دھوکا نہ دے۔ دوسری یہ کہ خلاف مثال کی تلاش شعوری طور پر کی جائے، کیونکہ سائنسی دیانت یہی ہے کہ محقق خود اپنے دعوے کی تردید کی کوشش کرے، اور اگر ایک مستند خلاف مثال مل جائے تو کلی حکم کو محدود یا درست کر لیا جائے۔ تیسری یہ کہ ہم زمانی و ہم مکانی اتفاق کو علت نہ سمجھا جائے؛ دو باتوں کا ساتھ پایا جانا ہمیشہ سبب ہونے کی دلیل نہیں ہوتا۔ چوتھی یہ کہ نتیجے کے اظہار میں اس کی قوت کا درجہ بیان کیا جائے، یعنی اندازاً، غالباً یا ثابت شدہ جیسے الفاظ مشاہدے کی مقدار کے مطابق چنے

جائیں۔ پانچویں یہ کہ جہاں استقرائی اصول کو کسی حساس انسانی یا دینی معاملے پر لاگو کرنا ہو وہاں متعلقہ شعبے کے ماہرین و اہلِ علم کی رائے کو حتمی مقام دیا جائے۔ ان شرائط کے ساتھ استقراء طالب علم کے لیے محض کتابی اصطلاح نہیں رہتا بلکہ تحقیق و فیصلے کا قابلِ بھروسا طریقہ بن جاتا ہے۔

نتیجہ

حاصل یہ ہے کہ استقراء جزئیات کے تتبع سے کلی حکم تک پہنچنے کا نام ہے۔ اس کا نتیجہ تام ہونے کی صورت میں یقینی اور عام ناقص صورت میں ظنی ہوتا ہے، اور اس کی قوت مشاہدات کی تعداد و تنوع سے بڑھتی ہے۔ منطقی استدلال میں اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہی نئے اصول بناتا ہے، تجرباتی علوم کی بنیاد ہے اور قیاس کے مقدمات فراہم و پرکھتا ہے۔ اس کی اقسام تام و ناقص ہیں جن کی مثالیں اور درجے اوپر واضح کیے گئے۔ قیاس سے اس کا فرق سمت اور کردار میں ہے: استقراء جزئی سے کلی کی طرف دریافت کرتا ہے اور قیاس کلی سے جزئی کی طرف اطلاق کرتا ہے۔ دونوں کی تکمیل ہی سے علم دریافت بھی ہوتا ہے اور محفوظ بھی، اور یہی متوازن فہم منطقی استدلال کی اصل روح ہے۔